ضابطہ آغاز جرم سے متعلق اسلام اور مغرب کے قانونی تعبیرات کا جائزہ

An analysis of Islamic and Western legal interpretations of 'attempt to commit the offence'

مشتاق احمد*

محمد عالم**

Abstract:

Attempt to commit an offence is termed liable to Ta'zīr (discretionary penalty) both in Islamic and Western Penal Codes and Procedures. However to some extent, Islamic Law has different viewpoints about the intention and act which lead to constitute an offence or an attempt towards its commission. In many cases, contrary to Attempt, Islamic law formulates its own terminology of jurm e kāmil (complete offence) and of jurm e ghair kāmil (incomplete offence) with deep interpretations and post effects thereto. This article elaborates the observations, interpretations and applied precedents and examples made by the early Muslim and Western jurists regarding the rule of attempt to commit an offence and other terms and matters relating to the subject.

فقہاء اور مغربی ماہرین قانون دونوں اس قانونی قاعدہ پر متفق ہیں کہ نیت اور فعل جرم کی تکمیل کرتے ہیں۔ فقہ اسلامی میں اس قاعدہ کی اساس نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث ہے کہ إنما الاعمال بالنیات۔[1] یعنی اعمال کا دارومدار نیت پر ہے یا یہ کہ نیت عمل کا پیشرو ہے۔ تاہم فقہاء کے نزدیک نیت اور فعل مل کر تب جرم کو برآمد کرتے ہیں جب فعل نیت کے نتیجے میں واقع ہوا ہو لہذا صرف نیتِ جرم اس وقت تک موجبِ سزا متصور نہیں ہو گا جب تک اس کے ساتھ فعلِ جرم جمع نہ ہو۔ اور دوسری یہ کہ کوئی فعل اس وقت تک جرم موجبِ سزا نہیں ہو گا جب تک اس کے ساتھ نیتِ جرم جمع نہ ہو گو کہ مذکورہ فعل ازروئے نص جرم گردانا جاتا ہو۔ اس بناء پر فقہی قاعدہ میں کہا گیا ہے کہ "الأمور بمقاصدها"[2] یعنی امور میں قصد کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس کی بناء پر قتل کو اس وقت تک قتلِ عمد قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک فعلِ قتل کے ساتھ قاتل کی نیتِ قتل شامل نہ ہو۔ لہذا اگر بلا قصد قتل کا ارتکاب کیا گیا تو وہ قتلِ خطاء موجبِ دیت تو ہو گا لیکن قتلِ عمد موجبِ قصاص نہیں ہو گا۔[3]

فقہاء بعد از نیت الشروع فی الجریمۃ یا آغازِ جرم کو بھی جرم موجبِ سزائے اصلی نہیں گردانتے جب تک جرم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ثابت نہ ہو۔ لہذا ان کے نزدیک اگر ملزم نے جرم کا آغاز کیا اور کسی خارجی اثر ورکاوٹ

* پروفیسر اسلامیات، انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ اریبک سٹڈیز، پشاور یونیورسٹی

** اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات، انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ اریبک سٹڈیز، پشاور یونیورسٹی

کے بغیر خود ہی اس کو ادھورا چھوڑ کر چلا گیا تو مجرم متصور نہیں ہوگا۔[4] الاّیہ کہ وہ آغازِ جرم کے مراحل میں گرفتار ہو تو پھر اسے تعزیری سزا دی جائے گی۔[5]

یہ بات کہ فوجداری نصوص میں فقہاء کے ہاں کوئی ایسا قاعدہ موجود نہیں تھا جس کی اساس پر ضابطۂ آغازِ جرم کو استوار کیا جاسکے، صحیح نہیں ہے۔ اسلامی فوجداریت کا ہر فوجداری قاعدہ اپنے پسِ منظر میں لازماً کسی ایسی عام نص کا حامل ہوتا ہے جو اس کی تکوین و تشکیل کے لئے مواد فراہم کرتی ہے۔ اسلامی فوجداریت کے ضابطہ وآغاز جرم کو استقصائی اور استخراجی عمل کے حوالے سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ قرآنِ کریم جرائم کے مقدمات اور مبادیاتِ جرم کو ممنوع ٹھہراتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم کا ارشاد ہے: **ولا تقربوا الزنا۔**[6] یعنی زنا کے قریب مت جاؤ۔ اس کا مطلب یہ کہ ان تمام افعال سے اجتناب کیا جائے جو بطورِ مقدمہ ارتکابِ زنا کا موجب بنتی ہیں۔ جبکہ ہر ممنوع اس وقت تک قابلِ تعزیر ہوتا ہے جب تک اس کے قابلِ حد ہونے پر نص وارد نہ ہو۔ گویا زنا ایک مستقل قابلِ حد جرم ہے اور آغاز یا مقدمۂ زنا بلا تکمیلِ زنا موجبِ تعزیر ہے۔ یا نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آنکھیں زنا کرتی ہیں اور آلۂ تناسل اس کی تکمیل کرتا ہے۔[7] چنانچہ مذکورہ حدیث آنکھوں کے عمل کو ممنوع موجبِ تعزیر اور آلۂ تناسل کے فعل کو ممنوع موجبِ حد قرار دیتی ہے۔

ضابطۂ آغازِ جرم کے حوالے سے فقہی قواعد میں یہ قاعدہ سرفہرست رکھا جاسکتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ: " **ماحرم فعله حرم طلبه**"۔[8] یعنی ہر وہ فعل جس کا ارتکاب حرام ہو اس کی طلب بھی حرام ہو گی۔ اس قاعدہ کے دو حصے ہیں: ارتکابِ فعل اور طلبِ فعل۔ قاعدہ کی رو سے دونوں حرام ہیں۔ یہ بات سمجھنے سے بالا تر نہیں کہ ہر طلب ارتکاب کا پیش رو ہوتی ہے۔ یا ہر ارتکاب طلب کے نتیجے میں مکمل کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ازروئے نص اگر طلبِ ارتکاب نیت تک محدود ہو تو وہ قانونی اثر سے مستثنیٰ ہو گی۔ لیکن اگر وہ جوارح اوراعضاء کو حرکت پر ابھارے تو وہ آغازِ جرم موجبِ تعزیر متصور ہو گی۔ جیسے دل میں زنا کی خواہش فکرِ مذموم تو ہے لیکن ماخوذ بہٖ نہیں ہے۔ جبکہ اسی کے تحت کسی عورت کو پکڑ کر زنا کی نیت سے لے جانا یا چوری کی نیت سے نقب لگانا یا قتل کی نیت سے کسی کو باندھنا یا شاہراہوں کو لوٹنے کی غرض سے جتھہ بندی کر کے آنا اس وقت تک طلبِ جرم یا آغاز جرم ہو گا جب تک مذکورہ جرائم کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچایا گیا ہو۔ کیونکہ جس چیز کا ارتکاب ممنوع ہو گا تو کسی بھی صورت میں اس کی طلب بھی ممنوع ہو گی۔ اس ضمن میں فقہاء کے ہاں یہ قاعدہ بھی پایا جاتا ہے کہ "**ماحرم أخذه حرم اعطاؤه**"۔[9] یعنی جس چیز کا لینا ممنوع ہو اس کا دینا بھی ممنوع ہو گا۔ اس کی رو سے مطالبۂ رشوت، مطالبۂ ربا اور اس قسم کی امورِ ممنوعہ کا مطالبہ ممنوع متصور ہو گا۔ اور اس قسم کا فعلِ ممنوع موجبِ تعزیر ہو گا۔ اس قسم کے مالی جرائم ریاستی اداروں میں عام ہوتی ہیں جہاں بدعنوان حکامِ بالا ماتحت عملہ کو رشوت لینے پر مجبور کرتے ہیں یا ان سے ایسے دفتری کام کراتے ہیں جو ریاستی اور ادارتی پروٹوکول کے تحت افعالِ ممنوعہ میں آتی ہیں۔ اسی طرح محکمہ مال میں ملی بھگت سے کسی غیر کی

اراضی کا انتقال اپنے نام درج کرایا گیا ہو اور توثیقِ انتقال سے قبل اس کی نشاندہی کی گئی تو یہ آغازِ جرم خلاف جائیدادِ غیر کا پہلا مرحلہ یا آغازِ جرم خلافِ جائیدادِ غیر متصور ہو گا۔ مذکورہ دیوانی مقدمہ میں سرکاری اہلکار اور رشوت دینے والا دو مجرم ہیں۔ یہاں یہ قاعدہ دوبارہ ملاحظہ رہے کہ "ما حرم أخذه حرم إعطاءه"[10] یعنی جس چیز کا لینا ممنوع ہو اس کا دینا بھی ممنوع ہو گا۔

مغربی اور زیادہ رومی قوانین کے تحت بھی ہر فعل ارادہ کے اندر مخفی ہوتا ہے یا ہر فعل کے پیچھے ارادہ ہوتا ہے۔ لہذا جب تک فعل ارادہ کے خول سے باہر نہیں نکلتا تب تک وہ قانونی اثر نہیں رکھے گا۔ البتہ جب وہ حرکت اعضاء کی صورت میں سرزد ہو تو پھر جائزہ لیا جائے گا کہ اس کے پیچھے کا ارادہ اگر مجرمانہ ہو تو فعل بھی مجرمانہ متصور ہو گا گو کہ وہ فعل بطورِ خود جرم نہ ہو تب بھی وہ مجرمانہ متصور ہو گا۔ اس ضمن میں مغرب کے قانون دان ہربرٹ بروم (م1882ء) نے نیت و ارادہ (Bare Intention) کے ذیل میں کہا ہے کہ:

> ...So long as an act rests in bare intention, it is not punishable by our laws; but when an act is done, the law judges not only of the act itself, but of the intent with which it was done; and if the act be coupled with an unlawful and malicious intent, though in itself the act will be otherwise have been innocent yet, the intent being criminal, the act likewise become criminal and punishable.[11]

بظاہر یہ توجیہ عجیب لگتی ہے کہ ارادۂ بد کسی عملِ معصوم کو جرم میں تبدیل کرتا ہے تاہم کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قرائن کے ذریعے ارادۂ بد یا ارادۂ مجرمانہ کا پتہ چلتا ہے۔ مغربی قوانین میں لاطینی زبان کا قاعدہ عام ہے کہ:

> Res Ipsa Loquitor--- (Eng) Things speak of themselves.[12]

یعنی یہ کہ اشیاء اپنے بارے میں خود بولتی ہیں۔ اس لئے راستے پر بیٹھنا اگرچہ اصلاً مباح ہے تاہم اگر بیٹھنے کے عمل کو بیٹھنے کے متعلقہ وقت، انداز، نقل و حرکت اور ہتھیار کی نوعیت کے ساتھ جوڑا جائے تو یہ چیزیں خود بولیں گی کہ وجہ ٔ قعود کیا ہے۔ اور یہ قعود بظاہر مباح ہو کر بھی اندر سے جرم ہے۔ اس لئے ازروئے قانون محض کسی چھوٹے جرم Misdemeanour کے ارتکاب کا قصد جرم نہیں ہوتا جب تک کچھ درمیانی افعال اسے جرم میں تبدیل نہ کریں۔ اور اسی قسم کے افعال فوری ہوتی ہیں اور ارادہ اور جرم کے درمیان پرورش پاتی ہیں۔ اس لحاظ سے زمانۂ بعید کے اسباب کو اسبابِ آغاز یا آغاز کے طور پر قبول نہیں کیا جاسکتا۔[13] گویا ارادہ کے اختتامی اور فعل کے ابتدائی مراحل کے درمیان بھی کوئی قابلِ ربط عنصر موجود ہوتا ہے جو ارادہ

اور فعل کو آپس میں جوڑتا ہے اور یوں جرم کی تکوین ہوتی ہے۔ اس بناء پر مغربی قوانین میں یہ لاطینی قاعدہ عام ہے کہ:

(Lt) ACTUS NON FACIT REUM NISI MENS SIT REA--- (Eng) the intent and the act must both concur to constitute a crime. [14]

یعنی فعل اور ارادہ جرم کی تشکیل کرتے ہیں۔

قصد یا نیت اور ارتکابِ جرم کے باہم جوڑ بندی کی وضاحت ابن نجیم (م۔970ھ) کی اس تعریف سے بھی ہوتی ہے کہ " **القصد هو الإرادة المتوجهة إلى الفعل** " [15] یعنی قصد فعل کی طرف رخ کئے ہوئے ارادہ کا نام ہے۔ اسی بناء پر بعد از قصد اور قبل از تکمیل جرم کا درمیانی مرحلہ آغازِ جرم موجبِ تعزیر گردانا جائے گا۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ مغربی قانون دانوں کے نزدیک عموماً ہر جرم کے پیچھے نیتِ غلیظہ یا کم از کم نیتِ متہمہ کے اجزاء کارفرما ہوتے ہیں، جیسا کہ کہا گیا ہے:

A guilty mind is an essential ingredient of crime. [16]

مغربی فلسفۂ قانون کی طرح اسلامی فلسفۂ قانون کی رو سے بھی ہر فکری داعیہ یا مخفی امر اپنے قائمقام کے آڑے آنے کی صورت میں مخفی نہیں رہ سکتا یا کم از کم مخفی رہ کر اپنے نتائج کی برآمدگی میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔ کیونکہ قانون اس قائمقام کی مدد سے امرِ مخفی کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر ہم مغربی قانون دانوں کی زبان میں بولیں کہ اشیاء خود بولتی ہیں یا فقہاء کی زبان میں کہ " **دلالة الشئ في الامور الباطنة يقوم مقامه** " [17] یعنی امورِ باطنہ پر دلالت کرنے والی اشیاء اس کا قائمقام ہوتی ہیں تو دونوں باہم برابر ہونگے۔ مغربی قانون دانوں کے نزدیک کسی پر اوپر سے چینی کی بھری بوری گرانا قصدِ قتل پر دلالت کرتا ہے کہ بھاری بوری خود بولتی ہے۔ [18] تو فقہاء کے نزدیک کسی شخص کے سر پر بھاری پتھر گرانا، یا وزن دار لکڑی سے سر پر مارنا یا کسی کے خلاف میں آلۂ مفرّق الاجزا کا استعمال قصدِ قتل کے بارے میں بولتی ہے۔ [19] اس حوالے سے جرم کے بارے میں کسی چیز کو "منہ بولتے ثبوت" کے طور پر لینا ادب اور قانون دونوں میں قابل غور ہے۔

نیت یا قصد بطورِ خود فعل نہیں ہوتا بلکہ فعل کی طرف متوجہ اور فعل کے ساتھ ملحق عنصر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابھی ابھی ابن نجیم نے اس کی وضاحت کی۔ لہذا ان کے نزدیک قصد ماخوذ بہ نہیں بلکہ فعل بعد از قصد ماخوذ بہ ہوتا ہے۔ مغربی قانون دانوں نے اس نکتہ کو یوں واضح کیا ہے کہ:

The will is not a deed unless there be some external act which shows that progress has been made in the direction of it.... [20]

یعنی قصد یا مرضیٔ قلب بطورِ خود فعل گردانا نہیں جاسکتا جب تک کوئی خارجی عمل فعل کی طرف اس کی پیش رفت کو ثابت نہ کرے۔ اسی قاعدہ کے تحت ملزم کو کسی خاص جرم کا مرتکب گردانا جائے گا اگر یہ ثابت ہو کہ اس نے ابتداءً ایسے فعل کا ارتکاب کیا ہے جو فعل متعلقہ جرم کا ایک مرحلہ سمجھا جاتا تھا تو یہ کہنا ہوگا کہ اس ابتدائی فعل کا مقصد ہی ارتکابِ جرم تھا۔ چنانچہ جدید مغربی تعبیرات میں Attempt کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ:

> ...the accused must have done an act which is a step toward the commission of that specific crime, and the doing of such act can have no other purpose than the commission of that specific crime. [21]

یعنی اگر ملزم کسی ایسے کام کا مرتکب پایا گیا جو کسی خاص جرم کی طرف ایک قدم سمجھا جاتا ہو اور اس کام کے ارتکاب کا مقصد بجز کسی جرمِ مخصوص کے سوا کچھ اور نظر نہیں آرہا ہو تو یہ کہا جائے گا کہ مجرم اس فعل (کے آغاز) کو کرتے پایا گیا ہے۔

مغربی قانون دانوں کے نزدیک مذکورہ بالا طریقے سے ثابت شدہ جرم کو قابلِ سزا گرداننا کوئی ناانصافی نہیں ہے۔[22]

جندی عبد الملک نے مصری ضابطۂ فوجداری کے دفعہ نمبر 45 بابت "الشروع" کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے:

> "الشروع بأنه هو البدء في تنفيذ فعل بقصد ارتكاب جناية إذا أوقف أو خاب أثره لأسباب لا تدخل لإرادة الفاعل فيها"[23]
>
> "یعنی شروع (موجبِ سزا) دراصل بقصدِ جرم کسی فعل کو روبہ عمل لانے کا "آغاز کرنا" ہے۔ گو کہ وہ (آغازِ فعل) بلا ارادۂ فاعل دیگر خارجی اسباب کے آڑے آنے کے نتیجے میں رک گئی ہو یا اپنا اثر گم کر چکی ہو"

اس قاعدہ کے تحت مغربی ماہرینِ قانون کے نزدیک اگر ملزم نے کسی فعل کا آغاز کیا ہو اور بوجوہ اسے نامکمل چھوڑا ہو یا اس کا فعل بے سود رہا ہو تب بھی وہ آغازِ جرم کا مرتکب اور مستوجبِ سزا ہو گا۔ لہذا اگر اس نے کسی کے جیب میں ہاتھ ڈالا لیکن جیب خالی ہونے کی وجہ سے خالی ہاتھ باہر آیا تب بھی وہ آغازِ سرقہ کا مرتکب ہو گا اور اسے سزائے آغازِ جرم دی جائے گی۔[24] تاہم مصری قانون کے مذکورہ دفعہ کے تحت اگر ملزم نے قصدِ سرقہ سے صرف ہاتھ جیب کے اوپر رکھا اور ابھی جیب میں داخل نہیں کیا تھا تو وہ سرقہ کے آغاز کا مرتکب نہیں گردانا جائے گا۔ جندی نے کہا ہے:

" لکن لا یعد شروعاً فعل من یحبس یده جیب شخص من خارج بقصد سرقة ما لم یثبت أنه فتش جیب شخص۔۔۔"

"[25] یعنی اس شخص کا فعل شروع متصور نہیں ہوگا جس نے قصد سرقہ سے کسی شخص کے جیب کو باہر سے ہاتھ لگایا ہو جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ اس نے جیب کو اندر سے ٹٹولا تھا"

قانون، جیسا کہ مغربی قانون دانوں نے کہا ہے کبھی آغازِ جرم کے حوالے سے ارتکابِ جرم تو کبھی ارتکابِ جرم کے حوالے سے آغازِ جرم کا تعین کرتا ہے۔ جیسے مجرم نے اگر دو جرائم کا قصد کئے بغیر ایک جرم کا آغاز کیا لیکن اسی آغاز کے نتیجے میں اس سے کوئی اور جرم سرزد ہوا تو وہ دونوں کا آغاز کنندہ متصور ہوگا۔ مثلاً "الف" چوری کیلئے دیوار توڑنے میں مصروف تھا اور اچانک اس کی ضرب سے "ب" مر گیا تو الف کو آغازِ سرقہ اور آغازِ جرمِ قتل دونوں کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ فرق صرف یہ ہوگا کہ اس نے مؤخر الذکر کو مکمل کر لیا ہے اور قتل کی سزا کا مستوجب ہے، کیونکہ از روئے قانون عملِ ضرب بہر حال آغازِ جرم تھا جو سرقہ کے بجائے قتل کی تکمیل پر منتج ہوا۔[26] مغربی قانون دانوں کا کہنا ہے:

...Law, with a view to determining the intention some time, couples together two acts.[27]

"یعنی یہ کہ قانون کبھی کبھی دو (قریب الوقوعی) افعال کو یکجا کر کے قصدِ جرم کا تعین کرتا ہے"

اصولی طور پر فقہاء کے نزدیک نیت کا اعتبار تب کیا جائے گا جب اس کے مابعدیات فعل کی طرف متوجہ ہوں، جیسا کہ ابن نجیم کی تعریف سے مترشح ہے۔ اس حوالے سے سرقہ اور قتل کی مذکورہ بالا مثال میں فاعل کا ارادہ فعلِ قتل کی طرف نہیں بلکہ فعلِ سرقہ کی طرف متوجہ تھا۔ لہٰذا وہ آغازِ قتل کا مجرم متصور نہیں ہوگا۔ ایک ہی نیت یا آغاز دو جرائم کی طرف بیک وقت تب منسوب ہوگی جب مجرم دونوں جرائم کے قصد کا اقرار کرے یا نیت یا اس کا قائمقام نیت کی مابعدیات کا دونوں جرائم کے ارتکاب کیطرف متوجہ ہونا ظاہر کرے۔ چنانچہ ایک ہی نیت یا آغاز کو بلا قرینہ دو جرائم کی طرف متوجہ کرنا ابن نجیم کے قاعدہ کے بھی خلاف ہے اور مغربی قانون کے اس قاعدہ کے بھی کہ نیت اور فعل مل کر جرم کی تکوین کرتے ہیں۔[28] اس لئے آغاز صرف ایک جرم کی طرف منسوب ہوگا کہ تکمیلِ جرم کے لئے نیت (Intention) کے بعد فعل کا ہونا ضروری ہے۔ اس ضمن مجموعہ تعزیراتِ پاکستان مجریہ $\frac{1860}{2006}$ کے دفعہ نمبر 511 بابت آغازِ جرائم Attempt to commit offence کے تشریحی نوٹ بذیل "Intention" میں کہا گیا ہے کہ:

Intention is the direction of conduct toward the object chosen upon considering the motives which suggest the choice. But the law does not take notice of an intention without an act. Mere intention to commit an offence, not followed by an act can not constitute an offence. The will is not to be taken for the deed unless there be some external act which shows that progress had been made in the direction of it. [29]

بالکل یہی تعبیر، جیسا کہ اوپر گزر چکا، ابن نجیم (م۔970ھ) نے بھی کی ہے۔

اسلامی قانونِ فوجداری کے کچھ ماہرین، جیسے فاضل عودہ کے نزدیک قدیم فقہاء کے ہاں "الشروع موجبِ سزا" کی نپی تلی اصطلاح پائی نہیں جاتی ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک جرمِ کامل اور جرمِ غیر کامل کی اصطلاحات رائج ہیں۔ ان کے نزدیک " آغاز" کسی جرم کے حصہ کے طور پر نہیں بلکہ مستقل جرم کے طور پر لیا جاتا ہے۔ لہذا اگر کوئی جرم اپنی کیفیت اور ماہیت میں کسی بڑے جرم کا پیش خیمہ بنتا ہے تو یہ آغاز نہیں بلکہ مستقل جرم ہو گا۔ اور اگر اس کے نتیجے میں بڑا جرم وقوع پذیر ہو تو چھوٹا جرم بڑے جرم کے اندر تحلیل ہو جائے گا اور متعین سزا کا موجب بنے گا۔ لہذا ان کے نزدیک ہر غیر کامل جرم اس وقت تک موجبِ تعزیر ہوتا ہے جب تک اس کے کامل ہونے کا ثبوت مہیا نہ ہو۔ لہذا اس حوالے سے چور اگر محض نقب زنی پر اکتفا کر کے لوٹ جائے تو وہ آغازِ جرم کے بجائے جرمِ غیر کامل کا مرتکب گردانا جائے گا۔ یہی قاعدہ دیگر جرائم میں بھی لاگو ہو گا۔[30]

بایں ہمہ دونوں "آغازِ جرم" اور "جرمِ غیر کامل" کے بنیادی تصور میں فرق نہیں۔ اگر جرمِ غیر کامل کو جرمِ کامل کے مقدمہ کے طور پر لیا جائے تو فقہاء اور وضعی قوانین کے شارحین کا نقطۂ نظر "نظریہ آغاز" پر ہی آکر رک جائے گا۔ یعنی یہ کہ ہر مقدمۂ جرم اصل جرم کی طرح ممنوع ہوتا ہے اگرچہ اس کے لئے سزا مقرر نہ ہو۔ مثلاً سرقہ کی نیت سے نقب زنی اور قتل کی نیت سے تلوار اٹھانا بلا تکمیلِ سرقہ و قتل فقہاء کے ہاں جرمِ غیر کامل اور وضعی قوانین کی رو سے آغازِ سرقہ اور آغازِ قتل متصور ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ اوپر فقہی قواعد میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی فعل بطورِ خود ممنوع ہے تو اس کا آغاز و اختتام بھی ممنوع ہو گا۔ یا اس کی طلبِ ارتکاب بھی ممنوع ہو گی۔ چنانچہ کہا گیا ہے: **ما حرم فعله حرم طلبه**۔[31] یعنی ہر وہ کام جس کا کرنا ممنوع ہو اس کی طلب بھی ممنوع ہو گی۔ تاہم بعض وضعی قوانین کے تحت چھوٹے جرائم کی طرف ابتدائی کوشش یا کسی بڑے جرم سے متعلق اسبابِ متقادمہ (Remote causes) کو بھی اسی جرم کے آغاز Attempt کے طور پر تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ الّا یہ کہ اسبابِ متاخرہ (Immediate causes) کو آغاز گردانا جاسکے گا۔ ہربرٹ بروم کہتا ہے:

> We don't think that all acts towards the committing a misdemeanor are indictable...Act remotely leading towards the commission of the offence are not to be considered as attempt to commit it, but acts immediately connected with it are....[32]

> ''یعنی ہم چھوٹے جرائم کی طرف پیش رفت کرنے والے افعال کو موجبِ سزا نہیں سمجھتے اور نہ دور کے افعال و اسباب کو کسی جرم کا آغاز گردانا جاسکتا ہے الاّ یہ کہ کسی جرم کے فوری اسباب (آغازِ جرم) قرار دی جاسکتی ہیں''

فقہاء کے نزدیک ایسا نہیں ہے۔ ان کے نزدیک جرمِ غیر کامل سببِ بعید کے طور پر اصل جرم کے ساتھ لاحق ہو کر جرمِ کامل کی تشکیل کرتا ہے۔ یا یہ کہ اگر اسلامی فوجداریت آغازِ جرم کی اصطلاح کو برقرار رکھے تو فقہاء کے نزدیک زمانۂ بعید کا فعل یا سببِ متقادمہ زمانۂ حال کے جرم کا آغاز گردانا جاسکتا ہے۔ مثلاً فقہاء کے نزدیک اگر ملزم نے کھاری ضرب لگائی تو ملزم کو تب تک ضرب نہیں لگائی جائے گی اور نہ اس کی دیت وصول کی جائے گی جب تک مجروح کا زخم مندمل نہ ہو۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد اگر زخم بگڑ گیا اور اس کی سرایت سے مجروح کی موت واقع ہوگئی تو ضارب قاتل متصور ہوگا اگرچہ موت کا سبب یعنی ضرب اپنے وقوع کے لحاظ سے قدیم (Remote) ہے۔ اور اگر مضروب بعد از ضرب شفایاب ہو تو اس صورت میں ضارب جرمِ جرح کا مرتکب متصور ہوگا۔[33] اس کا مطلب یہ ہے کہ آغازِ جرم کے حوالے سے اسلام کا قانونِ فوجداری اسبابِ بعیدہ کا اعتبار کرتا ہے۔ جبکہ مغربی قوانین اسبابِ بعیدہ کو غیر مؤثر سمجھتی ہیں۔ اس فوجداری تصور کو یہ فقہی ضابطہ تقویت دیتا ہے جس میں کہا گیا ہے: ''**العارض كالمقترن بأصل السبب قبل حصول المقصود**'' یعنی ہر عارض (New event) کو اصل سبب کے ساتھ ملحق مانا جائے گا جب تک سبب کا مقصود متحقق نہ ہو۔ زیرِ نظر صورت پر اس قاعدہ کی انطباقی صورت یہ ہے کہ مجروح کی موت عارض ہے اور اس کی جرح سببِ اصلی ہے اور زیرِ نظر صورت میں مقصود کا حصول اندمال جرح ہے۔ لہٰذا قبل از اندمال جرح اگر مجروح کی موت واقع ہو تو موت کو جرح کے ساتھ ملحق مانا جائے گا۔ اور اگر بعد از جرح اندمال متحقق ہو تو عارض کے معدوم ہونے کی صورت میں سببِ اصلی اپنے دائرہ ہی میں رہے گا اور اس پر حسبِ قاعدہ اپنا الگ حکم لاگو ہوگا۔[34]

زیرِ نظر ضابطہ اور ضابطہ '' **اضافة الحادث إلى أقربِ أوقاته** '' میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اضافۃ الحادث میں سببِ حادث معدوم ہوتا ہے۔ اس لئے اسے بعید کے بجائے قریبی وقت کے ساتھ ملحق مانا گیا۔ جب کہ زیرِ نظر صورت میں سببِ اصلی معلوم ہے اس لئے بعید ہونے کے باوجود عارض یا حادث کو اس کی طرف مضاف کرنا خلافِ قاعدہ نہیں ہوگا۔

اسلامی قانونِ فوجداری کے متعلقہ ضابطہ کے تحت یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر جرم کے پیچھے ''آغاز بصورت جرم'' موجود ہو۔ اس قسم کی صورتیں قتلِ خطاء یا جرحِ خطاء میں زیادہ پائی جاتی ہیں۔ مثلاً اگر گولی چلانے والا شکار کا نشانہ لیکر گولی چلاتا ہے اور وہ کسی انسان کو لگ جاتی ہے تو اسلامی ضابطہ کے تحت اس قسم کا جرمِ قتل آغازِ جرم سے خالی متصور ہوگا۔ یا اگر کوئی شخص گاڑی کے نیچے آکر مر جائے تو ڈرائیور کی طرف آغازِ جرم منسوب نہیں ہوگا، کیونکہ گولی چلانا اور ڈرائیونگ کرنا بطورِ خود افعالِ ممنوعہ نہیں ہیں۔ گذشتہ سطور پر نیت بمعہ فعل کی صورت میں تشکیلِ جرم کا حوالہ دیا گیا ہے جبکہ زیرِ بحث صورت یعنی قتلِ خطاء اس کے ساتھ متصادم نظر آتی ہے کہ وہاں تشکیلِ جرم کے لئے نیت اور فعل کا اجتماع ضروری ہے جبکہ یہاں پر بلا تحقیقِ نیتِ جرم جرم کی تشکیل کی بات کی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ اول الذکر صورت میں قتل سے مراد قتلِ عمد ہے جو سزائے اعدام پر منتج ہوتا ہے جبکہ زیرِ نظر صورت یعنی جرم بلا نیت وبلا آغاز یا قتل بلا نیت وبلا آغاز میں قاتل کو جسمانی نہیں بلکہ دیت کی صورت میں مالی سزا دی جاتی ہے۔ اور اس میں بھی برادری کو بھی شامل کیا جاتا ہے حالانکہ وہ گولی چلانے میں شامل نہیں تھے۔[35] زیرِ نظر صورت میں فقہاء کی جرمِ غیر کامل اور جرمِ کامل کی اصطلاح کارگر نظر آتی ہے کہ بلا نیت و آغازِ قتل ارتکابِ قتل جرم ہو کر بھی جرمِ غیر کامل ہوتا ہے۔ اور اصل سزائے قصاص کے بجائے دیت کی شکل میں مالی سزا کا تقاضا کرتی ہے۔

اس سے پہلے اس بات کی وضاحت کی جاچکی ہے کہ شرعی لحاظ سے نیت و ارادۂ جرم کو آغاز یا ''الشروع فی الجریمۃ'' سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ نیت، ارادہ اور فکر تینوں عناصر شریعت و قانون کے احاطہ میں نہیں آتیں۔

اسلامی قانونِ فوجداری کے تحت عملاً تیاری برائے جرم کا مرحلہ بھی آغازِ جرم نہیں۔ الاّ یہ کہ اس قسم کی تیاری بطورِ خود ممنوع ہو تو پھر یہ معصیت متصور ہوگی۔ جیسے انسان کو نشہ دلانے کے لئے نشہ آور ادویات خریدنا تاکہ اسے نشہ دلا کر اس کی جیب کاٹی جائے۔ یہاں پر منشیات کی خریداری آغازِ سرقہ کے طور پر قابلِ تعزیر نہیں ہے بلکہ اس لحاظ سے قابلِ تعزیر ہے کہ منشیات کی خرید و فروخت اور نقل و حمل بطورِ خود ممنوع ہے۔[36] اب اگر وضعی قوانین کے تحت منشیات کی خریداری ممنوع نہ ہو تو ان کے تحت اس قسم کے عمل کو آغازِ سرقہ سے تعبیر کیا جائے گا۔ لیکن یہ شبہ بھی درمیان میں آئے گا کہ ممکن ہے کہ خریداریٔ منشیات سے ملزم کا مقصد ارتکابِ جرم نہ ہو تو آغاز کی سزا بھی ساقط ہوگی۔ جبکہ اسلامی قانونِ فوجداری میں اگر خریداریٔ منشیات خود جرم ہے تو مستقل جرم کے طور پر وہ شبہ موجبِ اسقاطِ سزا سے بالاتر ہوگی۔

خریداریٔ منشیات برائے ارتکابِ سرقہ کے بجائے اگر ملزم رسی اور چھری اور دیگر آلاتِ ذبح خرید چکا ہو کہ اس سے قتل کا ارتکاب کرے تو وضعی قوانین میں یہ آغاز متصور ہوگا لیکن اسلامی قانونِ فوجداری میں نہیں، کیونکہ اس قسم کے اشیاء کی خریداری ممنوع نہیں کہ معصیت موجِبِ تعزیر قرار دی جائے جب تک فعلِ قتل کا آغاز متحقق نہ ہو اور جب تک ملزم یہ اقرار نہ کرے کہ اس کا ارادہ قتل کا تھا۔

اسلامی قانونِ فوجداری اس لحاظ سے بھی کسی جرم کے غیر مکمل ابتدائی مرحلہ یا جرمِ ناتمام کو کسی قابلِ حدّ یا قابلِ قصاص جرم کے ابتدائی حصہ کے طور پر تسلیم نہیں کرتی کہ یہ کئی قانونی پیچیدگیوں کو پیدا کرتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص غیر کے مکان میں نقب لگاتے یا اس کا دروازہ توڑتے یا اس کا دیوار پھلانگتے پکڑا جاتا ہے تو قطعیت کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ سرقہ یا زنا یا اغواء تینوں میں سے کس جرم کے ارتکاب کیلئے اندر داخل ہونا چاہتا تھا، کیونکہ ہر وضعی قوانین کے تحت ہر آغاز اس کے اصل جرم کے نسبت سے نمٹایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اغواء، قتل اور محصن ہونے کی صورت میں ارتکابِ زنا کی سزائیں مجرم کی موت پر منتج ہو جاتی ہیں۔ لہذا بطورِ آغاز ان کی نسبت سے متعین تعزیری سزا بھی شدید ہوگی۔ جبکہ سرقہ میں سزائے موت نہیں دی جاسکتی۔ لہذا بطورِ آغازِ جرم اس کی نسبت سے متعین تعزیری سزا میں تخفیف کو مدِ نظر رکھا جائے گا۔ جبکہ زیرِ نظر صورت میں آغاز تو متحقق ہے لیکن نسبتِ متحقق نہیں ہے۔ و علی ھٰذا القیاس اگر ملزم دوسرے شخص کو رسیوں سے باندھتے پکڑا جائے تب بھی قطعیت کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اسے قتل کرنا چاہتا تھا۔ ممکن ہے وہ اسے پیسوں کے لئے اغواء کرنا یا کسی اور مقصد کے لئے اسے حبسِ بے جا میں رکھنا چاہتا تھا۔ جبکہ حدود، قصاص اور تعزیرات قطعی ثبوت کی بنیاد پر نافذ کی جاتی ہیں۔ لہذا اگر قطعی ثبوت کے بغیر سرقہ کی سزا نہیں دی جاسکتی تو قطعی ثبوت کے بغیر تعزیر بھی نافذ نہیں کی جاسکتی، کیونکہ اسلامی قانونِ فوجداری میں یہ قاعدہ ہے کہ " لا جريمة و لا عقوبة الاّ بنص في التعزير "[37] یعنی تعزیرات میں بھی بغیر نص کے کوئی فعل نہ جرم ہے اور نہ اس پر سزا دی جاسکتی ہے۔ اس حوالے سے اسلام کے قانونِ فوجداری نے آغاز کو کسی جرم کا مقدمہ یا مبادیات قرار دینے کے بجائے اسے الگ طور پر مستقل جرم کے زمرہ میں رکھا تا کہ تعزیر کے تعین میں آسانی ہو۔ الاّ یہ کہ ملزم خود اس بات کا اقرار کر رہا ہو کہ آغاز کا مقصد فلاں جرم کا ارتکاب کرنا تھا۔ گو کہ امام ماوردی (م450ء اور بعض فقہاء نے ملزم سے آلۂ نقب کی برآمدگی یا محلِ سرقہ کے ارد گرد اس کی نقل و حرکت کو معصیت یا الشروع فی السرقہ سے تعبیر کیا ہے اگرچہ ابھی تک ملزم نے سرقہ کا آغاز نہیں کیا ہو۔[38] تاہم یہ سوال پھر بھی باقی رہ جاتا ہے کہ ایک غیر واقع امر (Unforeseen) اگر قطعی شہادت سے ثابت نہیں کیا جاسکتا تو اسے آلۂ واردات یا نقل و حرکت جیسے کمزور قرائن سے کیسے ثابت کیا جاسکے گا کہ ملزم آغازِ سرقہ یا ارتکابِ سرقہ کی نیت سے آیا تھا۔ یہ محض ایک شک ہے جبکہ اسلامی فوجداریت میں شک کے آڑے آنے کی صورت میں جہاں حدّ ساقط ہوتی ہے وہاں تعزیر بھی ساقط ہوگی۔

مذکورہ حوالے سے یہ واضح رہے کہ آلاتِ سرقہ یا آلاتِ قتل کی برآمدگی قبل از وقوعِ جرم کے بجائے بعد از وقوعِ جرم قرینۂ جرم (Circumstantial evidence) یا امدادی ثبوت (Supporting evidence) کے طور پر مؤثر ہوتی ہیں۔ مثلاً جب ہم کہتے کہ قتل میں آلۂ قتل نیت کا قائمقام ہوتا ہے۔[39] تو اس کا اطلاق بعد از وارداتِ قتل ممکن ہوگا۔ قبل از وقوعِ جرم اس کا اطلاق ممکن نہیں کہ محض اس بنیاد پر

ملزم کے خلاف آغاز یا اقدامِ قتل کا جرم عائد کیا جائے کہ اس سے آلۂ قتل بر آمد ہوا ہے۔ زیرِ نظر صورت میں جب تک ملزم خود اقرار نہ کرے تب تک اس کے خلاف معصیت کی فوجداریت بھی قائم نہیں کی جاسکتی۔ اور جب تک وہ خود اقرار نہ کرے کہ بعد از نقب اس کا ارادہ ارتکابِ سرقہ کا تھا تب تک تو اس کے خلاف آغازِ سرقہ کی فوجداریت بھی قائم نہیں کی جاسکتی۔ کیا نقب زنی یا باندھنے کا ہر عمل ارتکابِ سرقہ یا شخصِ غیر کو قتل کی نیت سے سرانجام دیا جاتا ہے؟ بلاشبہ ملزم کا وکیل اس قسم کے سوالات درمیان میں لانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

اسلامی قانونِ فوجداری کے تحت آغازِ جرم موجبِ تعزیر ہے، کیونکہ آغازِ جرم معصیت ہے اور ہر معصیت موجب تعزیر ہوتی ہے۔ لہٰذا اس صورت میں تعزیر کا تعین کرتے ہوئے اس بات کو مدنظر رکھا جائے گا کہ جسمانی تعزیر دس (10) کوڑوں سے زیادہ نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"لا تجلدوا فوق عشرة اسواط الا فی حدّ من حدود الله"[40]

"یعنی حدود اللہ (اللہ کی طرف سے متعین سزاؤں) کے بغیر دس کوڑوں سے زیادہ سزا نافذ مت دو"

تاہم ابن حجر عسقلانی (م۔852ھ) نے ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام حضرت عمرؓ کا مکتوب نقل کیا ہے جس میں انھوں نے لکھا ہے: "لا یبلغ النکال اکثر من عشرین سوطا"[41] یعنی تعزیرات میں سزا بیس (20) کوڑوں سے زیادہ نہیں ہونی چاہیئے۔ یہاں ابن حجرؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ تعزیرات میں تیس (30) اور چالیس (40) کوڑوں تک کی سزا بھی روایت کی گئی ہے۔[42] یہاں یہ بات واضح رہے کہ اسلامی فوجداریت میں تعزیر عدالت کی صوابدید پر مبنی ہے۔ کبھی مجرم زیرِ تعزیر کو موت کی صورت میں بھی تعزیر دی جاسکتی ہے۔ یہ حنفی، مالکی اور حنبلی فقہاء کی رائے ہے۔ جبکہ شافعی فقہاء تعزیرات میں سزائے موت کی رائے نہیں دیتے۔[43]

رجوع بعد از آغاز بہ سبب توبہ و بیداریٔ ضمیر اخلاق کے دائرہ میں آتا ہے، قانون کے دائرہ میں نہیں۔ الاّ یہ کہ قبل از رجوع اگر معصیت یا آغازِ جرم شخصِ غیر کے مالی ضرر کا موجب بنا ہو تو اس صورت میں ملزم کے خلاف دیوانی مقدمہ درج کیا جاسکتا ہے، کیونکہ توبہ مالی حقوق کو ساقط کرنے میں مددگار ثابت نہیں ہو سکتا۔ توبہ کا قانون کے دائرہ میں نہ آنے کا مطلب یہ نہیں کہ قانون توبہ یا بیداریٔ ضمیر کو قابلِ اعتناء نہیں سمجھتا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قانون اتنی وسعت کا حامل نہیں ہوتا کہ توبہ جیسے غیر مرئی افعال کا احاطہ کرسکے۔ تاہم بعد از توبہ مجرم کے اعمال وافعال کے حوالے سے وہ اس کے اصلاحِ احوال کا حکم سنا سکتا ہے۔ توبہ کی صورت میں قانون کی عدمِ تاثیر قرآنی نصوص، احادیث نبویہ اور تعاملِ نبوی کی اساس پر قائم

ہے۔ چنانچہ قرانِ کریم کی رو سے گرفتِ سرکار میں آنے سے قبل اگر مجرم توبہ کر چکا ہو تو اصل سزا سے معاف متصور ہو گا۔ چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے:

"الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیہم۔فاعلموا ان اللہ غفور رحیم"۔[44]

یعنی محاربین اگر تمہاری گرفت میں آنے سے قبل توبہ کریں تو جان لو کہ اللہ تعالی معاف کرنے اور رحم کرنے والا ہے" یا

" فمن تاب من بعد ظلمہ و اصلح فان اللہ یتوب علیہ۔"[45]

"یعنی جس نے بعد از گناہ توبہ کی اور اپنی اصلاح کی تو اللہ اس کی توبہ قبول کرے گا"

عہدِ نبوی میں پیش آمدہ نظائر بھی بتاتی ہیں کہ اگر کوئی مجرم اپنے جرم کا اقرار کرتا تو آپ ﷺ اسے توبہ کرنے کی تلقین کرتے۔ چنانچہ ماعز بن مالک نے جب زنا کا اقرار کیا تو آپؐ نے فرمایا:

"ارجع فاستغفر اللہ وتب""جاؤ اللہ سے مغفرت مانگو توبہ کرو"[46]

آپؐ نے حضرت ھزال کو ایک مجرم کے بارے میں فرمایا:

"یاھزال لو سترتہ بثوبک کان خیرالک"[47]

"یعنی اے ہزال! اگر تم اسے اپنے کپڑوں میں چھپاتے تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہوتا"

آپ ﷺ نے زنا کا اقرار کرنے والی خاتون حضرت غامدیہؓ کو بھی توبہ کی تلقین کی کہ:

" ارجعی فاستغفری اللہ وتوبی الیہ"

"یعنی جاؤ اللہ سے معافی مانگو اور توبہ کرو"۔[48]

یہاں یہ واضح رہے کہ غامدیہؓ کی سنگساری کے بعد نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

" لقد تابت توبۃ لو قسمت بین سبعین من أھل المدینۃ لوسعتھم"[49]

"یعنی اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اہلِ مدینہ کے ستر افراد پر تقسیم ہو تو ان کے مغفرت کے لئے کافی ہو گا"

یا یہ کہ ماعزؓ میدانِ سزا سے بھاگ رہا تھا تو تم نے اسے چھوڑا کیوں نہیں۔" ھلا ترکتموہ یتوب فیتوب اللہ علیہ"[50] یعنی تم نے اسے چھوڑا کیوں نہیں۔ وہ توبہ کرتا اور اللہ اسے معاف کرتے۔ واضح رہے کہ مذکورہ تینوں مقدمات حدّ زنا سے متعلق ہیں۔ لہذا بعد از ارتکابِ جرم توبہ کی حوصلہ افزائی کی جاسکتی ہے تو بعد از آغاز اور قبل از ارتکاب جرم بھی توبہ کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیئے۔ تاہم جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ہو کہ قانون توبہ کا احاطہ نہیں کرتا اس حوالے سے توبہ سے متعلق آغازِ جرم کے دوران اگر ملزم شخصِ غیر کے خلاف

کسی جانی یا مالی نقصان کا مرتکب ہو چکا ہو تو اس صورت میں توبہ شخصِ متضرر کے حق بابتِ ازالہ ضرر (Injuria Remedium) کو متاثر نہیں کر سکے گی بلکہ اس کے ذمہ ازالہ واجب ہو گا۔

تاہم جیسا کہ کہا جا چکا ہے اس قسم کے توبہ کے نتیجے میں شخصِ غیر کا حق متاثر نہیں ہو گا۔ چنانچہ محارب نے اگر قتل کیا ہو تو قصاص میں قتل ہو گا۔ اور اگر مال لوٹا ہو تو مال کی واپسی کا حکم دیا جائے گا۔

اسلامی قانونِ فوجداری کے تحت اگر بعد از آغاز ملزم نے خارجی سبب یا فعلِ جرم کے ناممکن العمل ہونے کی وجہ سے اسے ادھورا چھوڑا ہو تو اس قسم کا رجوع ملزم سے قانونی اثر کو زائل نہیں کر سکے گا اور وہ معصیت موجبِ تعزیر یا آغاز موجب تعزیر کا مجرم متصور ہو گا، کیونکہ بعد از آغاز اگر خارجی سبب آڑے نہ آتا یا اگر فعلِ جرم کا جاری رکھنا ممکن ہوتا تو وہ اصل جرم کو مکمل کر کے دم لیتا۔ اور بصورتِ جرمِ کامل حد یا قصاص کا مستوجب بنتا۔ اب جبکہ وہ خارجی سبب یا فعل کے غیر ممکن الوقوع ہونے کی وجہ سے اسے ادھورا چھوڑ چکا ہے تو وہ جرمِ غیر کامل کا مرتکب قرار پائے گا اور اسے تعزیری سزا دی جائے گی، کیونکہ اس سے پہلے یہ قاعدہ منقح ہو چکا ہے کہ **ماحرم فعله حرم طلبه**۔[51] یعنی وہ فعل جس کا کرنا ممنوع ہو اس کے کرنے کی طلب بھی حرام ہو گی۔ اس قاعدہ کی رو سے ارتکابِ فعلِ حرام جرمِ کامل اور طلبِ فعلِ حرام سے ارتکابِ جرمِ غیر کامل کی اصطلاحات بر آمد ہوتی ہیں جو قانونی تعبیر اور مفہوم کے لحاظ سے وضعی قوانین کے ضابطہ آغازِ جرم کے مقابلے میں زیادہ وسعت اور زیادہ گہرے اور مثبت نتائج رکھتی ہیں۔

حوالہ جات

[1] ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری (م۔256ھ) **الجامع الصحیح**۔ (بیروت: دار ابن کثیر، 1407ھ) باب کیف کان بدء الوحی۔۔۔، حدیث نمبر 1

[2] زین الدین ابن نجیم (م۔970ھ) **الأشباہ و النظائر** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1400ھ)، 27

[3] عبد القادر عودہ، **التشریع الجنائی الاسلامی مقارناً بالقانون الوضعی**۔ (بیروت: دار الکتاب العربی۔ سطن) بذیل "القتل" زیر مادہ 5

[4] عودہ، **التشریع الجنائی الاسلامی**، بذیل "اثر عدول الجانی عن القتل" زیر عدد 252

[5] جندی عبد الملک، **الموسوعة الجنائیة** (مصر: مطبعۃ الاعتماد۔1340ھ) 4:415

[6] القرآن، 32:17

[7] احمد بن محمد بن حنبل (م۔241ھ)، **مسند احمد**۔ (مؤسسۃ الرسالۃ۔1421ھ) حدیث نمبر 8539

[8] **مجلة الاحکام العدلیة** (کراچی: کارخانہ کتب۔ سطن) بذیل ماحرم فعلہ۔۔۔۔ زیر عدد 35

[9] مذکور، بذیل "ماحرم فعله۔۔۔۔۔۔۔ زیر عدد 34

[10] مذکور

[11] Herbert Broom (d. 1882CE) **Broom's Legal Maxims:** Classified & illustrated.10th ed. (Lahore: Pakistan Law House, 2012) P. 212

[12] Broom, P. 204

[13] Broom, P. 213

[14] Broom, P. 207

[15]ابن نجیم، 29

[16]Broom, P. 208

[17]مجلة الاحکام العدلیة، بذیل "دلالة الشیٔ۔۔۔" زیر عدد24

[18] Broom, 205

[19]عبد الرحمن الجزیری، کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة۔(دار الفکر: بیروت۔ سطن)5:275

[20] Broom, P.213

[21]مذکور

[22]مذکور

[23]جندی،4:415

[24] Broom, P.214

[25]جندی،4:424

[26] Broom, P. 214

[27]مذکور

[28]ابن نجیم،29۔Broom, P.207

[29] **The Pakistan Penal Code**, (Lahore: PLD Publishers, 1999) U.S. 511

[30]عبد القادر عودہ، بذیل "المراحل التی۔۔۔" زیرِ عدد249

[31]مجلة الاحکام العدلیة، بذیل بذیل "ماحرم فعله۔۔۔۔" زیر عدد30

[32] Broom, P. 213

[33]الجزیری،5:296

[34]الجزیری،5:269

[35]امام بدر الدین کاسانی (م۔587ھ) بدائع الصنائع، فی ترتیب الشرائع (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1982ء) 7:255

[36]بخاری، باب بیع المیتة و الاصنام، حدیث نمبر2121

[37]عودہ، بذیل "لا جریمة ولا عقوبة۔۔۔" زیر عدد105

[38] ابو الحسن علی بن محمد الماوردی (م450ھ) الاحکام السلطانیة، (قاہرہ: مطبعۃ السعادہ) 206

[39]ابن نجیم،27

[40]بخاری، باب کم التعزیر، حدیث نمبر6458

[41] أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (م۔ 852ھ) **التلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير**، (بيروت: دار الكتب العلمية، 1419ھ) كتاب حد شارب الخمر، حديث نمبر 1804

[42] مذکور

[43] ابن عابدين (م۔1252ھ) **رد المحتار على الدر المختار**۔ (بيروت: دار الفكر، 1399ھ) 62:4۔ ابراہیم بن فرحون (م۔799ھ) **تبصرة الحكام في أصول الاقضية و مناهج الاحكام**، (مصطفی البابی الحلبی، 1378ھ) 302:2۔ منصور بن يونس البهوتي (م۔1051ھ) **كشاف القناع عن متن الاقناع** (مطبعۃ الانصار، 1367ھ) 124:6۔ الماوردی، 238

[44] القرآن، 34:5

[45] القران 39:5

[46] مسلم بن الحجاج نیشاپوری (م۔ 261ھ) **صحيح مسلم**، (بيروت: دار احياء التراث العربی، سطن) باب من اعترف على نفسه بالزنا، حديث نمبر 22

[47] مسند احمد، حدیث نمبر 21892

[48] مسلم بن الحجاج، **صحيح مسلم**، باب من اعترف على نفسه بالزنا، حديث نمبر 22

[49] مسلم بن الحجاج، **صحيح مسلم**، باب من اعترف على نفسه بالزنا، حديث نمبر 24

[50] مسند احمد، حدیث نمبر 21891

[51] **مجلة الاحكام العدلية**، بذیل مادہ نمبر 35